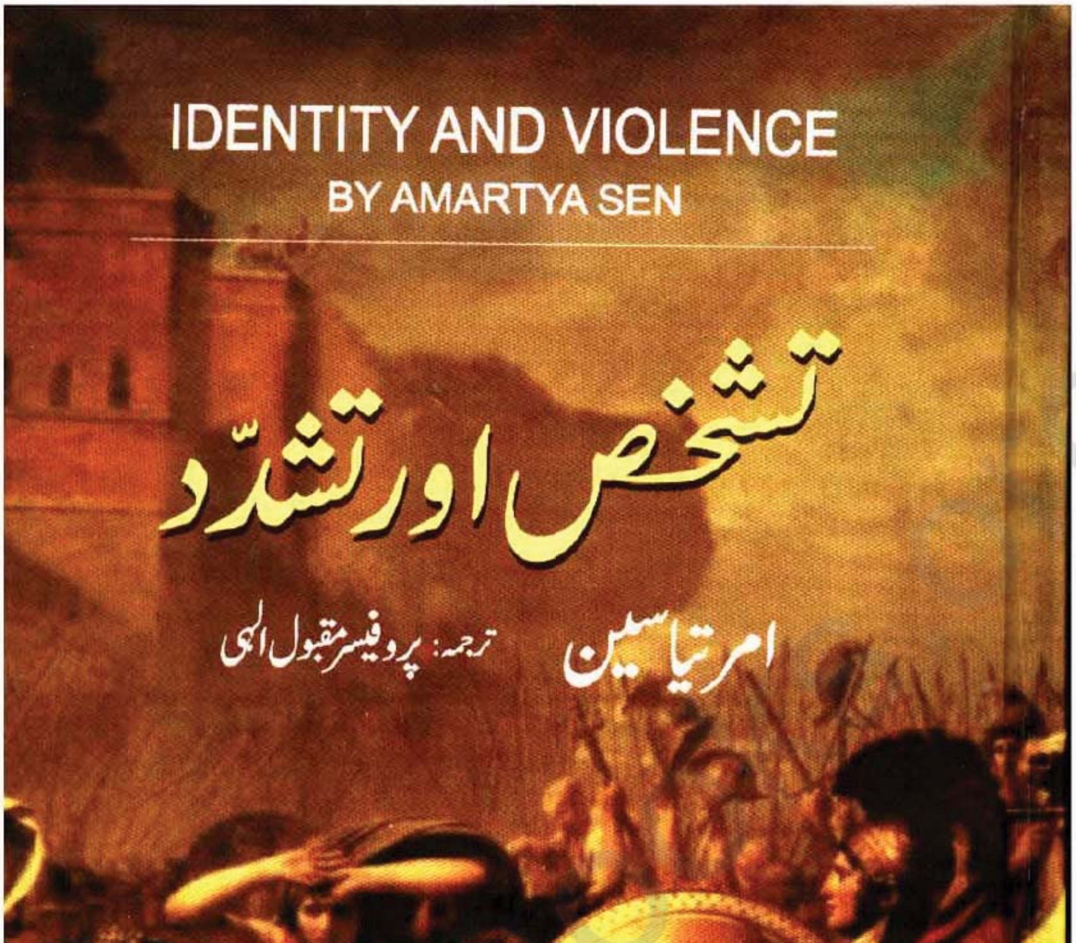
IDENTITY AND VIOLENCE
BY AMARTYA SEN
تشخص اور تشدّد
امرتیا سین
ترجمہ: پروفیسر مقبول الٰہی
مشعل

The free electronic download of this book has been made possible by the generous financial assistance provided by Mr. Faruq Ahmad

تشخص اور تشدد

امرتیا سین

ترجمہ: پروفیسر مقبول الٰہی

"This e-book is dedicated to my long-time friend Pervez Hoodbhoy. He has set an example for others through his lifelong activism, and thereby demonstrated that principled individuals can and do make a difference."

Faruq Ahmad

MashalBooks.org

مشعل بکس

آر بی۔۵، سیکنڈ فلور، عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن

لاہور۔54600، پاکستان

فہرست

پیش لفظ
5
دیباچہ
9
باب اوّل
فریب کا تشدد
17
باب دوم
تشخص کا مفہوم
33
باب سوم
تہذیبی قید
53
باب چہارم
مذہبی وابستگیاں اور مسلم تاریخ

MashalBooks.org

71

باب پنجم

مغرب اور مغرب مخالف

93

باب ششم

ثقافت اور اسیری

111

باب ہفتم

عالمگیریت اور آواز

127

باب ہشتم

کثیر ثقافتیت اور آزادی

155

باب نہم

سوچنے کی آزادی

175

MashalBooks.org

پیش لفظ

چند سال پہلے جب میں بیرونِ ملک کے ایک سفر سے انگلینڈ واپس آ رہا تھا (اُس وقت میں کیمبرج میں ٹرینیٹی کالج کا ماسٹر تھا) ہیتھرو پر امیگریشن آفیسر نے جس نے میرے ہندوستانی پاسپورٹ کی قدرے تفصیلی چھان بین کی تھی ایک پیچیدہ سا فلسفیانہ سوال مجھ سے کیا۔ میرے امیگریشن فارم پر میرے گھر کے پتے (ماسٹرز لاج ٹرینیٹی کالج کیمبرج) کو دیکھ کر اُس نے مجھ سے پوچھا کہ آیا وہ ماسٹر جس کا میں بدیہی طور پر مہمان تھا میرا قریبی دوست ہے؟ اس پر مجھے سوچنا پڑا کیونکہ یہ بات مجھ پر بالکل واضح نہیں تھی کہ آیا میں اپنے آپ کا دوست ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہوں یا نہیں۔ کچھ غور کرنے پر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کا جواب 'ہاں' ہونا چاہیے کیونکہ میں اکثر اوقات اپنے آپ سے خاصا دوستی والا برتاؤ کرتا ہوں اور مزید برآں یہ کہ اگر میں احمقانہ باتیں کروں گا تو یہ بات فوری طور پر مجھ پر عیاں ہو جائے گی کہ میرے جیسا دوست ہونے کی صورت میں مجھے کسی دشمن کی ضرورت نہیں ہے۔ سارا مسئلہ حل کرنے میں مجھے کچھ وقت لگ گیا امیگریشن آفیسر نے یہ جاننا چاہا کہ میرے ہچکچانے کی ٹھیک ٹھیک وجہ کیا ہے اور خصوصاً یہ کہ آیا میرے برطانیہ میں ہونے میں کسی قسم کی بے قاعدگی تو نہیں ہے۔

خیر یہ عملی مسئلہ آخرکار حل ہو گیا۔ لیکن یہ گفتگو میرے لئے ایک یاددہانی بن گئی (اگر کسی یاددہانی کی ضرورت تھی تو) کہ تشخص ایک پیچیدہ معاملہ ہو سکتا ہے۔ یقیناً ہمیں اپنے آپ کو یہ ترغیب دینے میں کوئی بڑی مشکل نہیں ہے کہ ایک شے اپنی مماثل ہو سکتی ہے۔

عظیم فلسفی وِٹ گنسٹائن نے ایک مرتبہ کہا تھا ''یہ کہنا کہ کوئی چیز اپنی مماثل ہو سکتی

MashalBooks.org

ہے'' ایسی بیکار بات ہے کہ بیکار بات کی اس سے عمدہ مثال اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ لیکن بحث کو جاری رکھتے ہوئے اُس نے کہا کہ اگر چہ یہ بالکل ایک بیکار بات ہے لیکن ''اس کا تخیّل آزمائی سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہے۔''

جب ہم اپنی توجہ ''اپنے آپ سے مماثل ہونے'' کے تصور سے ہٹا کر دوسرے لوگوں کے ایک خاص گروہ سے اپنے تشخّص کے اشتراک کی طرف منتقل کرتے ہیں (جو کہ وہ شکل ہے جو سماجی تشخّص کا تصور عموماً اختیار کرتا ہے) تو پیچیدگی مزید بڑھ جاتی ہے۔ یقیناً بہت سے ہم عصر سیاسی اور سماجی مسائل مختلف گروہوں کے غیر مساوی تشخّص کے باہم متصادم دعوؤں کے گرد گھومتے ہیں کیونکہ تشخّص کا تصور ہمارے خیالات اور اعمال کو بہت سے مختلف طریقوں سے متاثر کرتا ہے۔

پچھلے چند سالوں کے تشدّد کے واقعات اور مظالم نے ایک خوفناک افراتفری اور خطرناک تصادمات کے ایک دور کی راہ ہموار کی ہے۔ عالمی رسّہ کشی کی سیاست کو اکثر اوقات دُنیا کے مذہبی اور ثقافتی تفرّقات کا ایک لازمی نتیجہ خیال کیا جاتا ہے۔ یقیناً روز بروز دُنیا کو مذاہب یا تہذیبوں کے ایک وفاق کی حیثیت سے دیکھا جا رہا ہے، خواہ غیر اعلانیہ طور پر ہی سہی۔ اور اس طرح باقی تمام زاویوں کو جن سے لوگ اپنے آپ کو دیکھتے ہیں نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ اس اندازِ فکر کی تہہ میں یہ عجیب سا مفروضہ ہے کہ دنیا کے لوگوں کو بے مثل انداز سے ایک منفرد اور جامع نظامِ تقسیم کے تحت مختلف اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ دُنیا کی آبادی کی تہذیبی اور مذہبی تقسیم انسانی تشخّص کا ''یک کلیتی'' نقطۂ نگاہ پیش کرتی ہے۔ جو انسانوں کو ٹھیک ٹھیک طور پر ایک گروہ کے افراد کے طور پر دیکھتا ہے۔ (اس معاملے میں تہذیب یا مذہب کی تعریف کے مطابق، بمقابلہ اس سے پیشتر کے اقوام یا طبقات پر انحصار کے)

یک کلیتی نقطۂ نگاہ دُنیا میں تقریباً ہر شخص کو غلط طور پر سمجھنے کا ایک عمدہ طریقہ ہوسکتا ہے۔ اپنی روز مرّہ زندگیوں میں ہم اپنے آپ کو مختلف گروہوں کے ارکان کے طور پر دیکھتے ہیں...... ہمارا تعلق بہ یک وقت اُن سب سے ہوتا ہے۔ ایک ہی شخص بغیر کسی تضاد کے ایک امریکی شہری، کریبیائی افریقی ولدیت کا حامل، ایک عیسائی، آزاد خیال، ایک عورت، ایک سبزی خور، طویل فاصلوں تک جوڑنے والا، ایک مورّخ، ایک سکول ٹیچر، ایک ناول نگار، ایک آزادیِ نسواں کا حامی، کثیر جنسی، ہم جنس پرستی اور جُفتی کے حقوق میں یقین رکھنے والا، تھیٹر کا

شوقین، ماحولیات کا جوشیلا کارکن، ایک ٹینس کا شوقین، جاز کا موسیقار اور ایک ایسا شخص ہوسکتا ہے جو اس نظریے سے گہری وابستگی رکھتا ہو کہ بیرونی خلا میں باشعور مخلوقات رہتی ہیں جن کے ساتھ بات چیت کرنا انتہائی اہم ہے (ترجیحاً انگلش میں)۔ ان اجتماعیتوں میں سے ہر ایک جن سے یہ شخص تعلق رکھتا ہے اُسے ایک مخصوص تشخّص دیتی ہے۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی اس شخص کا واحد تشخّص یا رکنیت کی واحد قسم نہیں سمجھا جا سکتا۔ ان تمام ناگزیر، کثیر شناختوں کے ہوتے ہوئے ہمیں اپنے مختلف تعلقات اور وابستگیوں کی کسی مخصوص تناظر میں اہمیت کے بارے میں فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔

لہٰذا انسانی زندگی گزارنے کے لئے بنیادی چیز انتخاب اور عقل سے کام لینے کی ذمہ داریاں ہیں۔ اس کے مقابلے میں تشخّص کے بارے میں مبیّنہ طور پر یکتا......عموماً جارحانہ۔ احساس ناگزیریت پیدا کر کے تشدّد کو پروان چڑھایا جاتا ہے۔ یہ ایسا تشخّص ہے جس کے بارے میں فرض کیا جاتا ہے کہ ہم اس کے حامل ہیں اور جو بظاہر ہم سے بہت وسیع تقاضے کرتا ہے (بعض اوقات کچھ بہت ہی ناگوار قسم کے)

اپنے اوپر مبیّنہ طور پر یکتا شناخت کا اطلاق کرنا اکثر اوقات فرقہ وارانہ محاذ آرائی کو بھڑکانے کا ایک اہم سبب ہوتا ہے۔

بدقسمتی سے ایسے تشدّد کو روکنے کے لئے بہت سی نیک نیّتی سے کی جانے والی کوششیں بھی، تشخّصات کے بارے میں ہمارے عدم اختیار کے تصوّر سے ناکام ہو جاتی ہیں اور یہ چیز تشدّد کو شکست دینے کی ہماری صلاحیت کو شدید طور پر نقصان پہنچا سکتی ہے۔ جب مختلف انسانوں کے درمیان اچھے تعلقات کے امکانات کو بنیادی طور پر ''تہذیبوں کے درمیان دوستی'' یا ''مذہبی گروہوں کے درمیان مکالمہ'' یا ''مختلف قومیتوں کے درمیان دوستانہ تعلقات'' کے تناظر میں دیکھا جاتا ہے (جیسا کہ روزِ افزوں طور پر ہو رہا ہے) اور بہت سے مختلف پہلوؤں کو جن میں لوگوں کا ایک دوسرے سے رشتہ ہوتا ہے نظر انداز کر دیا جاتا ہے تو انسانوں کا شدید چھوٹا پن آگے آجاتا ہے اور امن کے مجوّزہ پروگرام پیچھے رہ جاتے ہیں۔

ہماری باہمی انسانی شراکت کو اُس وقت ایک غیر مہذب چیلنج کا سامنا ہوتا ہے جب دُنیا میں کثیر الاشکال تقسیموں کو مبیّنہ طور پر جماعت بندی کے ایک غالب نظام کے تحت یکجا کر دیا جاتا ہے...... مذہب، قومیت، تمدّن، قوم یا تہذیب کی اصطلاحات میں (جب ہم ان میں

سے ہر ایک کو جنگ اور امن کے بارے میں اپنے اُسی مخصوص نقطۂ نگاہ کے تناظر میں یکتا طور پر طاقتور خیال کرتے ہیں)۔ یکتا انداز سے تقسیم کی گئی دُنیا مختلف اور کثیر اقسام سے تشکیل دی گئی حقیقی دُنیا سے زیادہ منقسم ہے۔ یہ چیز نہ صرف اُس قدامت پرستانہ عقیدے کے خلاف جاتی ہے کہ ''ہم انسان تقریباً بالکل ایک جیسے ہیں۔'' (وہ عقیدہ جس کا آج کل بجا طور پر استہزا کیا جاتا ہے کہ یہ بہت ہی زیادہ نرم دلی والا عقیدہ ہے) بلکہ اس کم بحث کئے جانے والے لیکن بہت زیادہ قابلِ تعریف مفہوم رکھنے والے نظریے کے بھی خلاف ہے کہ ''ہم بہت وسیع طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔''

ہم عصر دُنیا میں ہم آہنگی کی اُمید بڑی حد تک ان چیزوں پر منحصر ہے: اوّل انسانی تشخّصات کی کثرت کا واضح تر ادراک۔ دوم: اس بات کا ادراک کہ یہ تشخّصات ایک دوسرے کا تقاطع کرتے ہیں اور کسی واحد سخت ناقابل نفوذ خطِ تقسیم کے مطابق تقسیم کی نفی کرتے ہیں۔

یقیناً نہ صرف مکروہ عزائم بلکہ نظریاتی ابتری ہمارے اردگرد کی ہنگامہ آرائی اور بربریت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ تقدیر کا فریب، خصوصاً کسی ایک یا دوسرے تشخّص کے بارے میں (اور ان کے مبیّنہ اثرات) دُنیا میں جرم و خطا کے ذریعے تشدّد کو پروان چڑھاتا ہے۔ ہمیں واضح طور پر اس بات کا ادراک کرنا ہوگا کہ ہماری بہت سی واضح وابستگیاں ہیں اور ہم باہمی طور پر ایک دوسرے سے بہت سے مختلف طریقوں سے برتاؤ کر سکتے ہیں (قطع نظر اس کے کہ اُکسانے والے اور اُن کے مضطرب مخالفین ہمیں کیا کہتے ہیں) ہمارے پاس اپنی ترجیحات کے بارے میں فیصلہ کرنے کی گنجائش موجود ہے۔ ہماری وابستگیوں کی کثرت کو اور انتخاب اور عقل کے استعمال کو نظر انداز کرنا اُس دُنیا کو دُھندلا دیتا ہے جس میں ہم رہتے ہیں۔ یہ ہمیں اُن خوفناک امکانات کی سمت دھکیلتا ہے جن کا نقشہ میتھیو آرنلڈ نے اپنی نظم ''ڈوور بیچ'' میں کھینچا ہے:

اور ہم یہاں اس تاریک میدان میں ہیں
جنگ اور شکست کے پراگندہ خوفوں کی رو میں بہتے ہوئے
جہاں ایک دوسرے سے ناآشنا فوجیں رات کی تاریکی میں نبرد آزما ہیں
ہم اس سے بہتر کر سکتے ہیں۔

MashalBooks.org

دیباچہ

آسکر وائلڈ نے ایک معمّاتی دعوٰی کیا ''بہت سے لوگ دوسرے لوگ ہوتے ہیں۔'' یہ اُس کے زیادہ شدید چیستانوں میں سے کسی ایک کی مانند لگے گا، لیکن اس معاملے میں وائلڈ نے اپنے نقطۂ نظر کا بہت معقولیت کے ساتھ دفاع کیا ہے۔ ''اُن کے خیالات کسی اور کی آرا ہوتی ہیں اُن کی زندگیاں دوسروں کی نقل ہوتی ہیں اور اُن کے جذبات دوسروں کے اقوال ہوتے ہیں۔'' یقیناً ہم اُن لوگوں سے جن کے ساتھ ہم اپنے آپ کو مماثل کرتے ہیں حیرت انگیز طور پر متاثر ہوتے ہیں۔ فعّال طور پر پروان چڑھائی گئی فرقہ وارانہ نفرتیں جنگل کی آگ کی طرح پھیل سکتی ہیں جیسا کہ ہم نے حال ہی میں کوسووو، بوسنیا، روانڈا، تیمور، اسرائیل، فلسطین، سوڈان اور دُنیا کے اور بہت سے مقامات پر دیکھا ہے۔ ایک مناسب اُکساہٹ سے، لوگوں کے کسی ایک گروپ کے ساتھ شناخت کے پرورش شدہ احساس کو، کسی دوسرے گروپ پر تشدّد کرنے کے لئے ایک طاقتور ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔

بلاشبہ دُنیا میں بہت سی کشاکشیں اور بربریتیں یکتا اور ناقابل انتخاب تشخّص کے فریب سے ہی قائم رکھی جاتی ہیں۔ نفرت سازی کا فن کچھ ایسی شکل اختیار کرتا ہے کہ یہ کسی مبیّنہ طور پر غالب تشخّص کی جادو کی قوّت کو اُبھارتا ہے، ایسا تشخّص جو دوسری تمام وابستگیوں کو ڈبو دیتا ہے اور جنگجویانہ شکل میں بڑی آسانی سے کسی بھی انسانی ہمدردی اور فطری رحمدلی پر غالب آجاتا ہے جو ہم عام حالات میں رکھتے ہیں۔ اس کا نتیجہ ملکی بے قابو تشدّد ہوسکتا ہے یا چابکدستی والا عالمی تشدّد اور دہشت گردی۔

درحقیقت ہم عصر دُنیا میں پوشیدہ کشاکش کا ایک بڑا ذریعہ یہ مفروضہ ہے کہ

MashalBooks.org

لوگوں کو مذہب اور کلچر کی بنیاد پر یکتا انداز سے قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یک کلیّتی جماعت بندی کی جامع و مانع قوّت پر کامل یقین دُنیا کو کلّی طور پر شعلہ فشاں بنا سکتا ہے۔ ایک یکتا تفریقی نظریہ نہ صرف اس قدامت پرستانہ عقیدے کے خلاف جاتا ہے کہ تمام انسان کم و بیش ایک جیسے ہیں، بلکہ اس پر کم بحث کیے گئے لیکن بہت زیادہ قابلِ تعریف خیال کے بھی کہ ہم بہت وسیع پیمانے پر ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ دنیا کو اکثر اوقات مذاہب کی جمعیتیں سمجھا جاتا ہے (یا تہذیبوں یا تمدّنوں کی) اور ان تمام دوسرے تشخّصات کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے جو لوگ رکھتے ہیں اور ان کی قدر کرتے ہیں جو جماعت، صنف، پیشہ، زبان، سائنس، اخلاقیات، اور سیاسیات پر محیط ہیں۔ یہ یکتا تفریق کثیر اور تنوع جماعت بندیوں والی دُنیا سے جس میں ہم رہتے ہیں زیادہ تصادم والی ہے۔

اس اعلیٰ نظریے کے بارے میں تخفیفی رویّہ فروتر سیاست میں تشدّد کے سلسلے میں ایک بڑا کردار ادا کر سکتا ہے، جو اکثر اوقات نادانستہ ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں ایسے تشدّد پر قابو پانے کی عالمی کوششیں اکثر اوقات مشکلات کا شکار ہو جاتی ہیں ایک یکساں قسم کی نظریاتی ابتری سے یعنی جب واضح طور پر مضمر طور پر یکتا تشخّص کو تسلیم کر لیا جاتا ہے اور اس طرح مزاحمت کے دوسرے بہت سے واضح راستوں کو بند کر دیا جاتا ہے۔ نتیجتاً مذہب پر مبنی تشدّد کا راستہ سول سوسائٹی کو مضبوط بنانے سے بند کیا جا سکتا (اگرچہ یہ راستہ بڑا واضح ہے) بلکہ اس کا راستہ روکا جا سکتا ہے بظاہر اعتدال پسند مختلف مذہبی رہنماؤں کو پھیلا دینے سے جو درونِ مذہب لڑائی میں انتہا پسندوں کو شکست دینے کے جذبے سے معمور ہوں اور جو ممکنہ طور پر متعلقہ مذہب کے تقاضوں کی مناسب انداز میں تعریف کریں۔ جب افراد کے مابین تعلقات کو گروہوں کے مابین تعلقات کے طور پر دیکھا جائے، یعنی تہذیبوں اور مذہبی گروہوں کے درمیان دوستی یا مکالمے کی شکل میں، اور ان دوسرے گروہوں کو نظرانداز کر دیا جائے جن سے وہ افراد تعلق رکھتے ہیں (جس میں معاشی، سماجی، سیاسی یا دوسرے ثقافتی تعلقات شامل ہیں) تو انسانی زندگی کے بہت بڑے حصّے کی اہمیت بالکل ختم ہو جاتی ہے اور افراد چھوٹے چھوٹے ڈبّوں میں بند ہو جاتے ہیں۔

لوگوں کو چھوٹا بنانے کے خوفناک اثرات اس کتاب کا موضوع ہے۔ یہ بعض مسلّمہ موضوعات کے از سرِ نو جائزہ اور تشخّص کا تقاضا کرتے ہیں۔ مثلاً معاشی عالمگیریت، سیاسی کثیر

MashalBooks.org

تمدّنی، تاریخی مابعد سامراجیت، سماجی نسلیّات، مذہبی بنیاد پرستی، اور عالمی دہشت گردی، ہم عصر دُنیا میں امن کے امکانات بخوبی پنہاں ہیں۔ ہماری وابستگیوں کی کثرت کے تسلیم کرنے میں اور ایک وسیع دنیا کے عام باشندوں کی حیثیت سے عقل کے استعمال میں، نہ کہ ہمیں دُنیا کے ایسے مکین بنانے میں جو چھوٹے چھوٹے ڈبوں میں ٹھونس کر بند کئے گئے ہوں۔ سب سے بڑھ کر ہمیں جس چیز کی ضرورت ہے وہ ہے اُس آزادی کی اہمیت کا واضح فہم جو ہمیں اپنی ترجیحات کا تعیّن کرنے میں حاصل ہو۔ اور اس فہم سے متعلقہ یہ(یقین) ہمیں معقول عوامی آواز کے کردار اور اثر انگیزی کے موزوں ادراک کی ضرورت ہے۔ اقوام کے اندر اور پوری دُنیا میں۔

کتاب کی ابتدا اُن چھ خطبات سے ہوئی جو میں نے پارڈی سینٹر کے پروفیسر ڈیوڈ فرامکن کی عنایت بھری دعوت کے جواب میں نومبر 2001ء اور اپریل 2002ء کے درمیان بوسٹن یونیورسٹی میں تشخّص کے موضوع پر دیئے۔ یہ سینٹر مستقبل مطالعے کے لئے وقف ہے اور خطبات کے سلسلے کا منتخب عنوان ''تشخّص کا مستقبل'' تھا۔ تاہم ٹی ایس ایلیٹ سے تھوڑی سی مدد لے کر میں اپنے آپ کو قائل کرنے کے قابل ہو گیا کہ ''حال اور ماضی کا وقت غالباً دونوں مستقبل کے وقت میں موجود ہوتے ہیں۔'' جس وقت تک یہ کتاب مکمل ہوئی تو یہ تشخّص کے کردار سے ماضی اور حال کی صورتِ حالات سے بھی اتنی ہی متعلق تھی جتنی کہ اب سے بعد کی پیشین گوئیوں سے۔

درحقیقت ان بوسٹن کے خطبات سے دو سال پہلے 1998ء میں میں نے آکسفورڈ یونیورسٹی میں تشخّص کے انتخاب میں عقل کے کردار پر ایک عوامی خطبہ دیا تھا جس کا عنوان تھا ''تشخّص سے پہلے عقل''۔ آکسفورڈ یونیورسٹی میں باقاعدگی سے ''رومنیز لیکچر'' کے عنوان سے کچھ رسمی خطبات دیئے جاتے تھے۔ (ولیم گولڈسٹون نے اس سلسلے کا پہلا خطبہ 1892ء میں دیا تھا۔ ٹونی بلیئر نے ایک خطبہ 1999ء میں دیا) اگرچہ ان خطبات کے اہتمام کے نتیجے میں مجھے خطبے کا آخری جملہ نشر ہوتے ہی یونیورسٹی حکام کی قیادت میں فینسی ڈریس کے جلوس کی شکل میں یونیورسٹی سے باہر جانا پڑا (اس سے پہلے کہ کوئی سامع کوئی سوال پوچھ سکتا) لیکن میں نے آخرکار بعد میں کچھ مددگار تبصرے، ایک چھوٹے سے پمفلٹ کی مدد سے حاصل کر لئے جو خطبے کے مندرجات سے ہی ترتیب دیا گیا تھا۔ میں نے اس کتاب کے لکھنے میں رومینیز لیکچر کو

MashalBooks.org

استعمال کیا ہے اور میں نے اپنے پُرانے متن سے اور تبصروں سے حاصل ہونے والی بصیرت سے استفادہ کیا ہے۔

یقیناً میں نے اُن تبصروں اور تجاویز سے جو مجھے دوسرے متعدد خطبات کے بعد حاصل ہوئے جو میں نے متعلقہ موضوعات کی ذیل میں دیئے (جن کا کچھ نہ کچھ تعلق تشخّص سے بنتا تھا) بہت حد تک استفادہ کیا۔ دوسرے کئی خطبات کے علاوہ اس میں شامل تھے۔ برٹش اکیڈمی میں2000ء کا سالانہ خطبہ، کالج ڈی فرانس میں ایک خصوصی لیکچر، (جس کی میزبانی پیئر بوردیو نے کی) ٹوکیو میں اشی زا کا لیکچرز، سینٹ پال کے کیتھیڈرل میں ایک عوامی لیکچر، بنکاک میں ویراؤدھ کالج میں فیا پریچانست یادگاری لیکچر، بمبئی اور دہلی میں دُراب ٹاٹا لیکچرز، سینٹرل بینک آف ٹری نیڈاڈ اور ٹوباگو میں ایرک ولیمز لیکچر، آکس فیم کا گلبرٹ مرّے لیکچر، یونیورسٹی آف کیلیفورنیا برکلے میں ہچکاک لیکچرز، امریکن فلاسوفیکل سوسائٹی میں پین روز لیکچر، اور2005 کا بی بی سی لیکچر برٹش میوزیم میں۔ علاوہ ازیں پچھلے سات سالوں میں میں نے دُنیا کے مختلف حصّوں میں جو مقالے پیش کئے ہیں اُن کے بعد میں نے بہت مفید مباحث چھیڑے ہیں۔ یہ مقالے درج ذیل ہیں:

ایم ہرسٹ کالج میں، چائنیز یونیورسٹی ہانگ کانگ میں، کولمبیا یونیورسٹی نیویارک میں، ڈھاکہ یونیورسٹی میں، ہستوسوباشی یونیورسٹی ٹوکیو میں۔ کاک یونیورسٹی استنبول میں، ماؤنٹ ہولیوک کالج میں، نیویارک یونیورسٹی میں، پیویا یونیورسٹی میں، پیرمینڈیس فرانس یونیورسٹی گرینوبل میں، روڈ یونیورسٹی گراہم ٹاون میں، ساؤتھ افریقہ میں، رِٹ سومیکان یونیورسٹی کیوٹو میں، رووِیرا ورجیلی یونیورسٹی ٹیراگونا میں، سانتا کلارا یونیورسٹی میں، سگرپس کالج کلیرمانٹ میں، سینٹ پالز یونیورسٹی میں، ٹیکنیکل یونیورسٹی آف لزبن میں، ٹوکیو یونیورسٹی میں، ٹورنٹو یونیورسٹی میں، سینتا کروز میں کیلیفورنیا یونیورسٹی میں، اور ولانووا یونیورسٹی میں اور یقیناً اس پر مستزاد ہارورڈ یونیورسٹی میں۔ ان بحثوں نے متعلقہ مسائل کے بہتر فہم کے لئے کام کرنے میں بہت زیادہ مدد دی۔

بہت مفید تبصروں اور تجاویز کے لئے درج ذیل خواتین وحضرات کا ممنون ہوں:

بینا اگروال، جارج ایکرلوف، سبینا ایلکائر، سدھیر آنند، انتھونی آپیاں، ہومی بھابھا، عقیل بلگرامی، سُگاتا بوس، لینکن چین، مارتھا چین، میگھنا دڈیسائی، انتارا دیوسین، ہنری فائنڈر،

ڈیوڈ فرامکن، سا کیکو فو کوداپر، فرانسس فو کویاما، ہنری لوئی گیٹس جونیر، رونق جہان، عاصمہ جہانگیر، دیورکی جین، عائشہ جلال، اناز یا کبیر، پراتک کانجی لال، سنیل کھلنانی، ایلن کرمان، سچی کونڈو، سیاسٹیانومیفی ٹون، جگنو محسن، مارتھانس بام، کینزابورو اوتے، صدیق عثمانی، رابرٹ پٹنم، مظفر قزلباش، رچرڈ پارکر، کمار رانا، انگرڈ روبینز، ایما داس چائلڈ، کیرول رووین، زینب ثعلبی، مائیکل سینڈل، اندرانی سین، نجم سیٹھی، رحمان، سجان، الفریڈ سٹیپان، کوتاروسُوز ومُورا، مریم ٹیسکل، شاشی تھرُور، اور لیون وائزلٹیر۔

مجھے مہاتما گاندھی کے نواسے (؟) گوپال گاندھی سے جو کہ ایک لکاری اور اس وقت مغربی بنگال کے گورنر ہیں سے بات چیت کے ذریعے تشخص کے بارے میں مہاتما کے خیالات کے فہم میں بہت زیادہ مدد ملی۔

رابرٹ ویل اور روبی ہیرنگٹن جونورٹن میں میرے ایڈیٹر ہیں، بہت سی اہم تجاویز کے ساتھ میرے لئے انتہائی مددگار ثابت ہوئے ہیں۔ اور میں نے لن نسبٹ کے ساتھ بات چیت سے بھی استفادہ کیا ہے۔ ایمی رابنز نے میرے غیر صاف مسوّدہ کو نقل اور تصحیح کر کے بہت ہی اعلیٰ کام کیا ہے اور ٹام میٹر، ہر چیز کو مربوط کرنے میں بہت حیرت انگیز رہا ہے۔

ہارورڈ یونیورسٹی میں، جہاں میں پڑھاتا ہوں مددگار تعلیمی ماحول کے علاوہ میں نے کیمبرج کے ٹرینیٹی کالج کی سہولیات سے بھی فائدہ اٹھایا ہے، خاص طور پر موسم گرما کے مہینوں میں۔

کینگز کالج کیمبرج میں سینٹر فار ہسٹری اینڈ اکنامکس نے ایک شاندار اور مستعد تحقیق کی بنیاد مہیا کر کے میری بہت مدد کی ہے اور میں انگا ہلڈ مارکان کا، بہت سے تحقیقی مسائل کا خیال رکھنے پر بہت ممنون ہوں۔ اس سینٹر پر متعلقہ موضوعات پر انیانا کبیر کے کام نے میری بہت مدد کی۔ میں شاندار تحقیقی معاونت کے لئے ڈیوڈ میریکل اور روزی واہن کا ممنون ہوں۔ میری تحقیقی سرگرمیوں کے لئے مادی اخراجات برداشت کرنے کے لئے، میں مشترکہ امداد کے لئے فورڈ فاؤنڈیشن، دی راک فیلر فاؤنڈیشن اور میلن فاؤنڈیشن کا بہت ہی شکر گزار ہوں۔

آخر میں مجھے اس افادے کا معترف ہونا چاہیے جو میں نے وسیع البنیاد مباحثوں سے حاصل کیا جن میں دُنیا کے بہت سے مختلف مما لک سے شرکا نے شرکت کی۔ یہ مباحثے ورلڈ سیولائزیشن فورم پر منعقد ہوئے جن کا اہتمام جاپانی حکومت نے ٹوکیو میں جولائی 2005ء

میں کیا تھا۔ جس کی صدارت کرنے کا اعزاز مجھے حاصل ہوا۔ میں نے گلوکس اے لوکس ٹورین کے 2004ء کے مذاکرات سے بھی استفادہ کیا جن کی قیادت پروباشیتی نے کی اور ہیراکلیون کریٹ میں جولائی 2005ء میں عالمی جمہوریت کے متعلقہ موضوع پر منعقد ہونے والے سائی سمپوزیم سے بھی استفادہ کیا جس کی قیادت جارج پاپاندریو نے کی۔

اگرچہ عالمی تشدّد کے مسائل میں عوام کی حالیہ توجہ اور انہماک، خوفناک حد تک المناک اور پریشان کن واقعات کا نتیجہ ہیں لیکن یہ بات اچھی ہے کہ یہ معاملات وسیع توجہ حاصل کر رہے ہیں۔ کیونکہ میں عالمی سول سوسائٹی کی کارگزاری میں اپنی زیادہ سے زیادہ آواز بلند کرنے کے لئے جتنی شدّت سے دلائل دے سکتا ہوں دیتا ہوں (سول سوسائٹی میں حکومتوں اور ان کے اتحادیوں کے فوجی اقدامات اور حربی سرگرمیوں میں امتیاز کیا جانا چاہئے) لہٰذا میں اس قسم کی باہمی اثر اندازی کی پیش رفتوں سے حوصلہ پاتا ہوں۔ میرا خیال ہے یہ چیز مجھے ایک رجائی بناتی ہے لیکن بہت کچھ کا انحصار اس بات پر ہے کہ ہم اُس چیلنج کا جواب کس طرح سے دیتے ہیں جس کا ہمیں سامنا ہے۔

امرتیا سَین

کیمبرج، میساچوسیٹس

اکتوبر 2005ء

تشخص اور تشدد

MashalBooks.org

بابِ اوّل

فریب کا تشدّد

لینگسٹن ہیوز (Langston Hughes) جو کہ ایک افریقی امریکی لکھاری ہے اپنی ۱۹۴۰ء کی خودنوشت The Big Sea میں اپنی اُس شادمانی کا ذکر کرتا ہے جس نے اُس پر اُس وقت غلبہ پا لیا جب وہ نیویارک سے افریقہ روانہ ہوا۔ اُس نے اپنی امریکی کتابیں سمندر میں پھینک دیں۔ ''یہ میرے دل پر سے دس لاکھ اینٹوں کو اُٹھا کر پھینک دینے کے مترادف تھا۔'' وہ ''افریقہ'' کی طرف عازمِ سفر تھا جو ''نیگرو لوگوں کی مادرِ وطن ہے۔'' جلد ہی ''وہ حقیقی چیز کا تجربہ کرے گا۔'' ''وہ چیز (اُس کا اپنا ملکؒ جسے چھوا اور دیکھا جا سکے گا نا کہ صرف کتابوں میں پڑھا جا سکے گا۔'' تشخّص کا احساس نہ صرف فخر اور مسرّت کا ذریعہ ہو سکتا ہے بلکہ قوّت اور اعتماد کا بھی۔'' یہ بات حیرت انگیز نہیں ہے کہ تشخّص کا تصوّر اس قدر وسیع پیمانے پر تحسین حاصل کرتا ہے...... اپنے ہمسایہ سے محبت کرنے کی عام وکالت سے لے کر سماجی سرمایے اور قومیّتی تعریفِ ذات کے اعلیٰ نظریات تک۔

لیکن تشخّص قتل بھی کر سکتا ہے...... اور کثرت سے قتل کسی ایک گروپ کے ساتھ پختہ اور استثنائی تعلق کا احساس اکثر صورتوں میں ساتھ ہی ساتھ دوسرے گروپوں سے دوری اور اختلاف کی سوچ کا حامل ہوتا ہے۔ گروپ کے اندر اتحاد گروپوں کے مابین اختلاف کو پروان چڑھا سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے ہمیں اچانک ہی کبھی یہ اطلاع ملے کہ ہم محض ''روانڈائی'' نہیں ہیں